

یہی ایک راہ ہے

اسما قادری



یہی ایک راہ ہے

اسما قادری

”شگو نے نئی گاڑی خرید لی ہے۔“ میں ابھی ابھی کالج سے آئی تھی۔ پریکٹیکل ڈے ہونے کی وجہ سے آج دیر سے آف ہوا تھا۔ ناشتا صبح کیا ہی نہیں جاتا تھا اور پریکٹیکل جرنل تیار کرنے کی بدحواسی میں فری پیریڈ میں بھی کچھ نہ کھا سکی تھی اس لیے گھر آتے ہی منہ پر پانی کے دو چار چھپاکے مارے اور یونیفارم تبدیل کیے بغیر ہی کھانا لے کر اس تخت پر آ بیٹھی جہاں اماں براجمان سروتے سے چھالیا کتر

رہی تھیں...... میرے دال، چاول اور اچار سے... بھرپور انصاف کرنے کے دوران انہوں نے یہ خبر سنائی تو مجھے پتنگے لگ گئے۔

''شہباز میاں کے ساتھ بارہ بجے کے قریب آئی تھی۔ کہنے لگی اماں آج آپ کی خاطر کالج سے جلدی چھٹی لے کر آئی ہوں۔ پچھلے ہفتے ایہا سے بات ہوئی تو اس نے بتایا آپ کے جوڑوں کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ میں نے آپ کے لیے اسپیشلسٹ سے ٹائم لے رکھا ہے، چلیں چل کر چیک اپ کروالیں، میں نے لاکھ انکار کیا لیکن اس نے ساتھ لے جا کر ہی دم لیا۔ واپسی میں دونوں میاں، بیوی چھوڑنے بھی خود آئے، میں نے کہا بھی کہ کھانا کھا کر جانا مگر راضی نہیں ہوئے۔ ٹائم ہی کہاں ہوتا ہے شگو غریب کے پاس...... میں تو ترس کر رہ جاتی ہوں کہ کبھی جی بھر کر اپنی بچی کی شکل دیکھ سکوں۔'' اماں کے لہجے میں ممتا بھری محبت تھی اور وہ میری دلی کیفیت سے بے خبر اپنی سنائے جا رہی تھیں۔

شگو آپا جن کا اصل نام شگفتہ تھا ہم چھ عدد بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اللہ نے انہیں حسن اور ذہانت دونوں ہی چیزیں بڑی فراخ دلی سے عطا کی تھیں...... ایم سی ایس میں گولڈ میڈلسٹ خاتون کو لیکچرر شپ ملی تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ خوب صورت اور ذہین لڑکیوں کے رشتے بھی کثرت سے آتے ہیں اور ان رشتوں میں سے شہباز سہیل کو حسن و ذہانت میں شگو آپا کے مساوی پا کر فٹافٹ ان کی شادی کردی گئی۔ شادی کے بعد ان کی گود بھی پہلے سال ہی بھر گئی۔ ساتھ ہی ان کی مصروفیات بھی بڑھتی چلی گئیں۔ انہوں نے پہلے ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھانا شروع کیا اور پھر خود اپنا ذاتی کمپیوٹر سینٹر کھول کر بیٹھ گئیں۔ یہ سینٹر صبح سے رات تک اتنی شفٹوں میں کام کرتا تھا کہ لگتا کبھی بند ہی نہیں ہوتا۔ شروع، شروع میں آپا پھر بھی میکے آتی جاتی رہتی تھیں لیکن سینٹر والے کام میں مصروف ہونے کے بعد ان کے پاس مکمل ملاقات کی فرصت نہیں رہی۔ مجھ سے بڑی اور خود سے چھوٹی درمیان کی تین بہنوں کی شادی میں شرکت بھی انہوں نے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہی کی البتہ ہر بار تحائف پہلے سے زیادہ قیمتی دیے...... بھائی ہمارا سب سے چھوٹا تھا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ماں، باپ کے لیے ایک کے بعد ایک بیٹی کی شادی کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا چنانچہ شگو آپا کے بے حد مالی تعاون پر اماں، ابا دونوں ان کے مشکور تھے اور دل کھول کر انہیں دعائیں دیتے تھے۔ باقی سب بھی ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ شگو آپا نے تو خود کو ایک مثال بنا ڈالا تھا۔ ترقی کے لیے اتنی محنت تو مرد بھی نہیں کرتے جتنی وہ کرتی تھیں...... ذاتی گھر، گاڑی اور بیٹی کے لیے شہر کے مہنگے ترین اسکول کا انتخاب یہ سب ان کی شب و روز کی محنت کے بدلے ہی تو ممکن ہوسکا تھا۔ اتنی کامیابیوں کے لیے یقیناً وہ سراہے جانے کے لائق تھیں لیکن میں تھی جو اُن کی ترقی کی یہ خبریں سن کر خوش ہونے کے بجائے جل بھن جاتی تھی۔ اب بھی ایسا ہی ہوا۔ دال، چاول کو تیزی سے معدے میں منتقل کرتے ہاتھوں کی رفتار خود بخود ہی سست پڑ گئی اور کھانے سے بے رغبتی سی محسوس ہونے لگی۔ مزید رہی سہی کسر دروازے سے داخل ہوتی خالہ صغریٰ نے پوری کردی۔

''اے یہ کون......؟'' انہوں نے آنکھوں کے اوپر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر مجھے گھورا اور گویا بہ مشکل شناخت کا مرحلہ طے کرنے کے بعد بولیں۔ ''اچھا اپنی ایہا ہے...... کالج جا کر تو بالکل ہی ماٹھی ہوگئی ہے۔ چار مہینے پہلے میرا چکر لگا تھا تو رنگت اتنی گہری نہیں تھی۔'' کوئی نہ تھا جو خالہ صغریٰ کو ان کے بے لاگ تبصرے سے روک سکتا...... میں بھی بس خاموش واک آؤٹ ہی کرسکتی تھی چنانچہ برتن سمیٹ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ادھر اماں، خالہ صغریٰ سے کہہ رہی تھیں۔

''گرمی بہت پڑ رہی ہے ناں...... بسوں کے دھکے کھا کر کالج آتی جاتی ہے، بچی اس لیے کملا گئی ہے۔''

''تو کاہے کو اسے کالج میں داخل کروادیا۔ گھر بٹھا کر ہی پرائیویٹ بی اے کروالیتیں۔ تم کو بری تو بے شک لگے گی میری بات لیکن تم جانتی ہو کہ میں ہوں زبان کی صاف...... یہ تمہاری چھوٹی جو ہے ناں باقی چاروں سے بالکل الگ ہے، شگو کی تو چلو بالکل ہی الگ بات تھی لیکن باقی تینوں بھی اچھے نقوش اور صاف، صاف رنگت کی تھیں اس لیے آسانی سے اٹھ گئیں پر اس کا بر ڈھونڈنا مشکل ہوجائے گا۔ میری مانو تو اسے گھر بٹھا کر پرائیویٹ پڑھوالو اور کچھ ٹوٹکے ووٹکے استعمال کرواؤ۔ رنگت نکھر گئی تو کچھ نہ کچھ آسرا ہوجائے گا۔'' ابھی شگو آپا کی نئی گاڑی خریدنے کی خبر کی جلن ہی باقی تھی کہ خالہ صغریٰ کا یہ بے لاگ تبصرہ سرتاپا جھلسا گیا۔ دل چاہا کہ باہر نکل کر انہیں اتنی کھری، کھری سناؤں کہ دوبارہ یہاں قدم ہی نہیں رکھ سکیں لیکن اماں کے ڈر سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

''اب تو بچی نے داخلہ لے لیا ہے۔ بیچ سال میں کیا رکاوٹ ڈالوں، آپ دعا کرتی رہا کریں۔ اللہ نے چاہا تو اس کے نصیب کا جوڑ بھی مل ہی جائے گا۔'' اماں نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے عاجزی سے انہیں جواب دیا تو مجھے مزید پتنگے لگ گئے۔

''دعا کی کیا کہتی ہو ساجدہ وہ تو میں سب بچیوں کے لیے کرتی ہوں اور تمہاری بیٹیوں کے لیے تو میں نے صرف دعا ہی نہیں کی بلکہ کوششیں بھی بہت کیں...... اپنی ایہا کے لیے بھی پیچھے نہیں رہوں گی۔''

وہ اپنی ایہا تو ایسے بولتی تھیں جیسے مجھ سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن میں جانتی تھی کہ یہ وہ... "بامعاوضہ محبت" ہے جو وہ محلے کی ہر جوان لڑکی سے جتاتی ہیں۔ آخر رشتے کروانے والی جو ٹھہریں۔

☆☆☆

خالہ صغریٰ کی باتوں نے میرا موڈ خاصا آف کردیا تھا اس لیے وقتی طور پر شگو آپا کی گاڑی والی خبر میرے ذہن سے نکل گئی لیکن بہرحال یہ ایسی خبر نہیں تھی جسے میں زیادہ دیر تک بھولی رہتی۔ گھنٹے بھر بعد مجھے پھر اس خبر کا خیال آگیا اور برداشت نہ ہوا تو شگو آپا سے چھوٹی عافیہ آپی کا نمبر ملا ڈالا۔ اماں، ابا کنواری لڑکیوں کے پاس موبائل فون کی موجودگی کے قائل نہیں تھے۔ اس لیے میں آج کے دور میں بھی لینڈ لائن پر ہی گزارہ کرتی تھی۔ نمبر ملانے کے بعد کافی دیر تک بیل جاتی رہی پھر جا کر بڑی مشکل سے عافیہ آپی کی ہانپتی کانپتی آواز سنائی دی۔

''آپ کیا کسی ریس میں حصہ لے کر آرہی ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''شادی ہوئی ہے تب سے مانو ریس لگا رہے ہیں، تم سناؤ کیا حال ہے؟'' انہوں نے قدرے بیزاری سے جواب دیا۔ وہ عموماً ایسی ہی بیزار رہتی تھیں حالانکہ میری چاروں شادی شدہ بہنوں میں وہی سب سے خوش حال تھیں کہ ان کے میاں کا ذاتی کاروبار تھا اور وہ کھلا کماتے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں، بس آپ کو ایک خبر سنانے کے لیے فون کیا تھا۔''

''کیسی خبر......؟'' ان کی بیزاری قدرے کم ہوئی اور لہجے میں تجسس در آیا۔

''شگو آپا نے نئی گاڑی خرید لی ہے۔ آج کالج سے واپسی پہ آئی تھیں اپنے شوہرِ نامدار کے ساتھ، اماں کا کسی اسپیشلسٹ سے چیک اپ کروانے لے گئی تھیں۔'' میں نے بریکنگ نیوز نشر کی۔

''ہاں بھئی، ان کی کیا بات ہے وہ ایک چھوڑ دو گاڑیاں لے سکتی ہیں اور میاں کو بھی انگلیوں کے اشارے پر نچا سکتی ہیں۔ آخر اپنا کمایا کھا رہی ہیں، یہ تو ہم احمق تھے کہ پڑھنا لکھنا چھوڑ کر انٹر کے بعد ہی گھرداری سنبھال لی اور پھر اماں ابا نے اللہ میاں کی

گائے کی طرح جس سے چاہا بیاہ دیا۔'' عافیہ آپی نے فوراً حسرت ناک لہجے میں جوابی تبصرہ کیا۔ کہنے کی تو بات نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ وہ پڑھائی کے معاملے میں ہم سب سے زیادہ نکمی تھیں اور اپنے جس ''انٹر کے بعد'' گھرداری سنبھالنے کا رونا رو رہی تھیں اسے بھی کبھی کلیئر نہیں کر سکی تھیں...... اور اماں نے بار بار سپلی کی فیسیں جمع کروانے سے بیزار ہو کر ہی انہیں گھرداری کے دھندوں میں الجھا دیا تھا۔ ظاہر ہے میں عافیہ آپی سے اپنی صاف گوئی کا مظاہرہ کر کے ''آ بیل مجھے مار'' ... نہیں کہہ سکتی تھی چنانچہ ذرا سی ہمدردی کر لینا ہی مناسب سمجھا۔

''کیا بات ہے آپ اتنی خفا کیوں لگ رہی ہیں۔ اشفاق بھائی سے کھٹ پٹ ہو گئی ہے یا بچوں نے ستایا ہے؟''

''ابا، بچے سب مل کر ہی میرا جینا دوبھر کیے رکھتے ہیں...... سب کو مفت کی کنیز ملی ہوئی ہے، صبح جاتے ہوئے سب کسی خانساماں کی طرح مجھے اپنی، اپنی پسند کے کھانے نوٹ کروا جاتے ہیں۔ چار طرح کے کھانے تیار کرتے ہوئے کبھی کسی کی شرٹ استری کرنے کے لیے دوڑ لگاتی ہوں تو کبھی کسی کی گم شدہ پینٹ تلاش کرنے کے لیے اس کی الماری میں سر دینا پڑتا ہے۔ کام والی ماسی اتنی نمک حرام ہے کہ اس کے پیچھے، پیچھے نہ پھروں تو آدھا کچرا کمروں میں ہی چھوڑ کر نکل جاتی ہے اس پر سے سودا سلف لانے کی ذمے داری بھی میری ہے۔ ابھی ابھی بازار سے ہی آ کر بیٹھی تھی۔ دھوپ میں سبزی گوشت والوں کے درمیان پھر، پھر کر بی پی لو ہو گیا ہے۔ میاں صاحب خود تو اے سی والی گاڑی میں بیٹھ کر نکل جاتے ہیں، پیچھے میں رکشا، ٹیکسی کے لیے خوار ہوتی پھرتی ہوں۔'' انہوں نے اپنی داستان سناتے، سناتے بھرپور خفگی کا اظہار کیا۔

''شکر کریں رکشا، ٹیکسی افورڈ کرنے کے قابل ہیں۔ اشفاق بھائی کھلے دل سے آپ کو خرچہ دیتے ہیں ورنہ ہمارے ہاں تو بے چاری عورتوں کی اکثریت گروسری کے چکر میں پیدل یا بسوں کے دھکے کھاتے ہوئے خوار ہوتی ہے۔'' میں نے ان کے اندر شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور مزید تقریر جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''آپ برا نہ مانیں تو کچ کہوں آپی آپ بہت سی عورتوں کے مقابلے میں خاصی خوش قسمت ہیں۔ ذرا شگو آپا کو ہی دیکھیں، صبح سے رات تک پیسہ کمانے کی دُھن میں کیسی خوار ہو رہی ہیں کہ اپنوں سے ملنے تک کی فرصت نہیں۔ آج اتنے دنوں بعد یہاں آئی تھیں لیکن یہ نہیں ہوا کہ میرے کالج سے واپس آنے تک رک جاتیں کب سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے۔'' میں نے اپنے ملال کو آخر زبان دے ہی دی۔

''میں بھی یہی کہوں گی میری بہنا کہ تم مانو نہ مانو لیکن شگو آپا میرے مقابلے میں پھر بھی بہتر ہیں۔ اب دیکھو کیسے وہ اپنی مرضی سے آئیں اور اماں کو ڈاکٹر کے پاس بھی لے گئیں۔ ان کے میاں کی مجال تھی کہ ان کے حکم کے آگے چوں بھی بولتے۔ دوسری طرف ہمارے میاں ہیں پچھلی بار اماں، عثمان کے ساتھ ملنے گھر آئی تھیں تو واپسی میں، میں نے اشفاق کی ہزار خوشامدیں کر لیں کہ اماں اور عثمان کو گھر چھوڑ آئیں لیکن مجال ہے جو وہ آدمی ٹس سے مس ہوا ہو تمہیں کیا خبر کہ میرے دل پر اس وقت کیا گزری جب عثمان گھر سے اتنی دور جا کر رکشا ڈھونڈ کر لایا اور وہ اور اماں رکشے میں واپس گئے۔ سچ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ گھر کے پورچ میں کھڑی کرولا کو آگ لگا دوں لیکن کیسے لگاتی وہ تو میاں کا مال تھا جس پر میرا حق بس اسی صورت ہوتا ہے کہ جب وہ تسلیم کریں۔'' انہوں نے اپنا دکھ بیان کیا تو میں مزید اپ سیٹ ہو گئی۔ شگو آپا کے لیے محسوس کیے جانے والے دکھ میں عافیہ آپی کا دکھ بھی شامل ہو گیا۔ آپ

سوچ رہے ہوں گے کہ شگو آپا کو بھلا کیا مسئلہ ہے تو جناب ان کا مسئلہ بھی ان کے میاں ہی ہیں۔ خوب صورت، پڑھے لکھے اور اچھی جاب والے شہباز بھائی نے شادی کے بعد مشکل سے ڈیڑھ سال تک ہی ملازمت کی اور اس کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر گھر بیٹھ گئے۔ جی ہاں وہ مردوں کی اس قسم میں سے ہیں جو فطرتاً نکھٹو ہوتے ہیں۔ اچھا خاندانی پس منظر، تعلیم اور شکل صورت رکھنے والے شہباز بھائی میں یہ عیب تھا کہ وہ ٹِک کر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ ماں باپ نے ان کی طبیعت کا یہ لاابالی پن دیکھا تو شادی کو مجرب نسخہ سمجھتے ہوئے آپا کو ان کے لیے بیاہ کر لے گئے۔ زمانہ شناس ماں باپ نے یہ عقل مندی دکھائی کہ بہو ڈھونڈتے ہوئے محض شکل صورت پر توجہ نہیں دی بلکہ یہ بھی خیال رکھا کہ لڑکی ایسی ہو کہ جو برے حالات میں گھر کو سنبھال سکے یوں شادی کے ڈیڑھ سال بعد ہی گھر کی کل ذمے داری آپا کے شانوں پر آ گئی اور وہ پچھلے تیرہ سالوں سے یہ ذمے داری اس خوبی سے نبھا رہی تھیں کہ مجھے شہباز بھائی کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ ان کے تو نصیب جاگ گئے تھے۔ خوب صورت اور کماؤ بیوی جس کے دم سے وہ زندگی کی ساری لگژریز سے لطف اٹھا رہے تھے اور آج بھی ویسے ہی تر و تازہ تھے جیسے تیرہ سال قبل شگو آپا کو بیاہ کر لے جاتے وقت تھے۔ ہاں آپا ضرور اتنے سالوں میں مجھے تھکی، تھکی سی اور کمزور لگنے لگی تھیں لیکن سب یہی کہتے تھے کہ شگفتہ بہت ایکٹیو اور اسمارٹ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی رائے درست ہو لیکن میں آپا سے بے تحاشا محبت کرنے کی وجہ سے ان کے لیے کڑھتی رہتی تھی۔ سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے آپا نے ہمیشہ میرے بہت لاڈ اٹھائے تھے اور جب میں اپنی اتنی پیاری بہن کی صورت دیکھنے کے لیے ترس، ترس جاتی تھی تو شہباز بھائی پر ڈھیروں غصہ آتا تھا حالانکہ وہ ہمیشہ مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آتے تھے لیکن میرے نزدیک ان کی اس خوش اخلاقی کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بیوی کی کمائی کھانے والوں کو اس کے میکے والوں کے ساتھ اچھا سلوک تو کرنا ہی تھا۔ جیسے آج وہ اماں کو نئی کار میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے اور یہ نئی کار میرے اعصاب پر سوار ہو گئی تھی کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اس کی خریداری میں خرچ ہونے والے لاکھوں روپوں کے لیے میری بہن نے کولہو کی بیل کی طرح دن رات محنت کی ہوگی۔ جانے کب سے وہ بے چاری پوری نیند بھی نہ سوئی تھیں۔ کسی تفریح کے لیے نہیں گئی تھیں اور انہیں اپنی پسند کی کوئی رومینٹک فلم دیکھنے یا ناول پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا ہوگا۔

خیالات کی یلغار میں گھری میں کچن میں پہنچ گئی۔ پہلے فریزر سے قیمہ نکال کر رکھا پھر چائے کا پانی چڑھایا۔ عثمان کے اکیڈمی جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ چائے تیار ہونے تک میں نے پاپڑ بھی تل لیے۔ پاپڑوں کے ساتھ چائے نوش کرنے کے بعد عثمان اکیڈمی چلا گیا اور میں اماں کے ساتھ بیٹھ کر ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

''ایسا سالن چڑھا دو بیٹا، اپنے ابا کا پتا ہے ناں کہ مغرب کے فوراً بعد کھانا چاہیے ہوتا ہے اگر دیر ہو گئی تو ان کا موڈ خراب ہوگا۔'' اماں نے دو چار منٹ بعد ہی مجھے ٹوک دیا تو میرا اپنا موڈ خراب ہونے لگا۔

''ابھی مغرب میں بہت دیر ہے اماں۔'' میں نے انہیں احساس دلا دیا۔ گرمی کے دن ہونے کی وجہ سے مغرب واقعی دیر سے ہو رہی تھی۔

''پھر بھی تم چڑھا دو۔ وقت سے پہلے ہی کھانا تیار ہو جائے تو اچھا ہے۔ ہبڑ دبڑ میں ڈھنگ کا پکتا بھی نہیں ہے اور تمہارے ابا بگڑنے لگتے ہیں۔ میں آج اسپتال جا کر بہت تھک گئی ہوں ورنہ خود ہی پکا لیتی۔'' اس بار انہوں نے میرے لیے کوئی گنجائش

نہیں چھوڑی تھی اس لیے مجھے کچن کا رخ کرنا پڑا۔ خود اماں نے تکیے سے کمر لگاتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے ہمیشہ سے انہیں ابا کا بہت خیال رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابا بھی ہم لوگوں کے لیے دن رات محنت کرتے تھے لیکن ان میں ذرا نازک مزاجی تھی اور خلافِ مزاج کسی بھی بات پر فوراً ہی برہم ہوجاتے تھے اس لیے سب کی کوشش ہوتی تھی کہ ایسا کوئی کام نہ ہونے پائے جو ابا کی مرضی کے خلاف ہو۔

کچن میں آنے کے بعد میں نے قیمہ چڑھایا اور چائے کے برتن دھونے کے بعد آٹا گوندھ کر رکھا۔ روٹیاں میں بالکل ابا کے آنے کے وقت پر ہی پکاتی تھی تاکہ تازہ اور گرم رہیں۔ آٹے کا پیالہ فریج میں رکھنے کے بعد میں نے چولھے کی آنچ دھیمی کی اور خود باہر تخت پر آبیٹھی۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اندر جاکر فون اٹھایا۔ دوسری طرف مجھ سے بڑی والی سونیا تھی جس کی شادی ابھی پچھلے ہی سال ہوئی تھی۔

''اماں کہاں ہیں؟'' مجھ سے سلام دعا کرنے کے بعد اس نے اماں کے بارے میں دریافت کیا۔

''میرے خیال میں سوگئی ہیں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔ خلافِ معمول جوڑوں کا درد گرمیوں میں بھی تنگ کررہا ہے۔ آج شگو آپا اور شہباز بھائی انہیں کسی اسپیشلسٹ کے پاس بھی لے گئے تھے۔ لگتا ہے اس کی دوا سے کچھ آرام ہے جو وہ اس وقت سوگئی ہیں ورنہ آج کل تو رات کو بھی ڈھنگ سے نہیں سو پاتیں۔'' میں نے قدرے تفصیل سے اس کے سوال کا جواب دیا کہ مبادا وہ اماں کو نیند سے جگانے کی فرمائش کر ڈالے۔ وہ ہم بہنوں میں سب سے زیادہ بے صبری اور نازک مزاج تھی اور عموماً اپنے مطلب ہی کی بات کرتی تھی۔

''اچھا آپا آئی تھیں شہباز بھائی کے ساتھ...... کتنے اچھے لگتے ہیں ناں وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے۔ شہباز بھائی پر تو وقت نے لگتا ہے کوئی اثر ہی نہیں ڈالا۔ پہلے سے زیادہ ینگ اور ڈیشنگ لگنے لگے ہیں۔'' بجائے اس کے کہ وہ اماں کی طبیعت کے بارے میں دریافت کرتی آپا اور شہباز بھائی کے کپل کے بارے میں رائے زنی کرنے لگی۔ اصل میں آپا کے بعد ہم بہنوں میں وہ ہی سب سے زیادہ خوش شکل تھی۔ اسے فلمیں دیکھنے اور رومانی ناول پڑھنے کا بڑا چسکا تھا اور اس کے ذہن میں لائف پارٹنر کے طور پر کوئی فلمی سا ہیرو ہی بسا ہوا تھا لیکن اس کی شادی ہوگئی سولہ گریڈ کے ایک ہائی اسکول ٹیچر سے جو عمر میں اس سے کم و بیش دس سال بڑے تھے۔ عمر کے اس تفاوت کو اس لیے اہمیت نہیں دی گئی تھی کہ باقی ہر اعتبار سے رشتہ اچھا تھا۔ سب سے بڑھ کر سہیل بھائی کا خاندان بہت مختصر تھا۔ وہ اکلوتے تھے اور ان کے صرف والد حیات تھے۔ سونیا کے مزاج میں ذرا تیزی تھی اس لیے اماں کا خیال تھا کہ اس کے لیے لمبی چوڑی، بھری پُری سسرال کو نبھانا مشکل ہوگا۔ سہیل بھائی نے اسے اچھی طرح رکھا ہوا تھا لیکن میں نے کئی بار نوٹ کیا تھا کہ اس کے ذہن پر سوار فلمی ہیرو کا بھوت سال بھر میں بھی اتر نہیں سکا۔

''ینگ اور ڈیشنگ تو نظر آتا ہی ہے انہوں نے۔ وہ کون سا کھانے کمانے کی فکر میں اپنی ہڈیاں گھلا رہے ہیں۔ سارا بوجھ تو بے چاری آپا نے اٹھا رکھا ہے۔'' سونیا کے تبصرے پر میں نے جل کر کہا تو وہ اپنی فطری بدلحاظی سے بولی۔

''یہ تو آپا کا قصور ہے، کیوں میاں کو اتنی چھوٹ دے رکھی ہے۔ ڈرتی ہوں گی کہ کہیں چوں چراں کرنے سے اتنا خوب صورت شوہر ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

''فضول مت بولو، تمہارے سر پر تو ہمیشہ خوب صورتی کا بھوت سوار رہتا ہے۔ اگر شہباز بھائی خوب صورت ہیں تو کیا آپا گری پڑی ہیں۔ آج بھی

چاند کے تمنائی

شہر دل کی گلیوں میں
شام سے بھٹکتے ہیں
چاند کے تمنائی
بے قرار سودائی
دل گداز تاریکی
جاں گداز تنہائی
روح و جاں کو ڈستی ہے
روح و جاں میں بستی ہے

کلام: ابن انشا

پسند، شہلا محمود، واہ کینٹ

کسی محفل میں چلی جائیں تو سب سے الگ چمکتی دمکتی نظر آتی ہیں لیکن تم اپنی ناپختہ سوچوں میں گھری کچھ دیکھ ہی کہاں پاتی ہو۔ میاں بے چارے تمہارے اسکول کے بعد ٹیوشنز کے درمیان گھرے تمہاری سہولت اور آرام کے لیے دن رات محنت کررہے ہیں، تم ان کی کمائی پر عیش کرتی، دن رات بستر پر براجمان فلموں اور رسالوں سے لطف اٹھاتی ہو اور پھر اس بات پر آہیں بھرتی ہو کہ تمہارا شوہر فلاں ہیرو جیسا اسمارٹ اور ینگ کیوں نہیں ہے؟ چھوڑ دو یہ بچکانہ خیالات اور حرکتیں۔ اب تم خود ماں بننے والی ہو ذرا سمجھ دار ہوجاؤ۔'' میں دوپہر سے پہلے ہی بھری بیٹھی تھی، سونیا کی باتوں نے بالکل ہی فیوز اڑا دیا چنانچہ بغیر کسی لگی لپٹی کے اچھی طرح اس کی طبیعت صاف کی اور کھٹ سے فون بند کرکے کچن کی طرف دوڑی کہ کہیں قیمہ جل جانے سے گھر میں نقصِ امن کا اندیشہ نہ ہوجائے۔

☆☆☆

''آخر تمہیں اعتراض کیا ہے اس رشتے پر؟'' ستارہ بجیا نے کڑے تیوریوں سے مجھے گھورتے ہوئے کوئی دسویں بار یہ سوال کیا اور ایک بار پھر اپنے لائے ہوئے رشتے کی خصوصیات گنوانے لگیں۔

''اچھا شریف لڑکا ہے۔ اپنا کاروبار ہے، بہنوں کی شادی سے فارغ ہوچکا ہے۔ گھر میں صرف ماں باپ اور ایک چھوٹا بھائی ہے، مزے سے رہو گی تم وہاں۔ مجھ سے پوچھو کیسے اتنی بڑی سسرال کے جھنجٹ سے نمٹتی ہوں۔ شادی کے سات سالوں میں پوری چار نندیں نمٹائی ہیں۔ ان کا جہیز جوڑنے کے چکر میں کتنی بار اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹنا پڑا ہے اب تو یہ گنتی بھی یاد نہیں رہی۔ سسر، میاں صاحب اور اسکول، کالج میں پڑھتے تین، تین دیوروں کو حسبِ منشا ناشتا کروا کر ٹفن سمیت گھر سے روانہ کرنے میں صبح، صبح کیسی گھن چکر بن جاتی ہوں یہ مجھے ہی پتا ہے پھر جب بیاہی نندیں میکے آتی ہیں تو ان کی اور ان کی شوہروں کی خاطر داریوں میں جو پریڈ لگتی ہے وہ الگ ہے۔ کبھی کبھی تو رونا آجاتا ہے کہ اپنے بے چاروں بچوں کو ہی ڈھنگ سے دیکھ نہیں پاتی۔ مصروفیات میں ان کی فرمائشیں پوری کرنا یاد نہیں رہتا بلکہ چڑچڑاہٹ میں الٹا وہ بے چارے ہی زد پر آجاتے ہیں۔'' مجھے قائل کرنے کے چکر میں وہ زور شور سے اپنا دُکھڑا سنانے بیٹھ گئی تھیں۔ اس فن میں تو مجھے لگتا تھا کہ ساری خواتین یکساں مہارت رکھتی ہیں کہ ذکر کوئی بھی چل رہا ہو آخر کار اپنی مظلومیت اور مصائب کا رونا رونے کا موقع تلاش ہی لیتی ہیں جیسا کہ اس وقت ستارہ بجیا کے چہرے پر دنیا بھر کا دکھ سمٹ آیا تھا۔ قصہ یہ تھا کہ وہ میرے لیے اپنی چچی ساس کے صاحب زادے کا رشتہ لانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ بجیا کی سسرال والے زیادہ تر دکان دار قسم کے لوگ تھے۔ خود اُن کے سسر اور میاں مل کر اپنا

جنرل اسٹور چلاتے تھے جبکہ جن موصوف کا وہ میرے لیے رشتہ لے کر آئی تھیں وہ خیر سے مکینک تھے اور بقول ستارہ بجیا کے بہت اچھا کماتے تھے۔

”میں آپ کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں بجیا لیکن آپ کے تجربے کی روشنی میں آپ کے چھٹی زاد دیور کو قبول کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔“ ان کی تقریر کے اختتام پر کہے گئے میرے اس جملے نے انہیں بھنا کر رکھ دیا۔

”کیوں، کیا خرابی نظر آتی ہے تمہیں جمشید میں؟“ انہوں نے ایک بار پھر اپنا وہی سوال دُہرایا تو آخر کار میں نے مسٹر جمشید کی برائیاں گنوانے کے لیے کمر کس ہی لی ورنہ عموماً میں اس طرح کی عیب جوئی سے گریز کرتی ہوں۔

”پہلی خرابی تو یہ ہے کہ ان موصوف نے میٹرک تک نہیں کر رکھا۔ دوسرے بہت اول جلول حلیے میں رہتے ہیں اور تقریبات تک میں دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ بندہ مکینک ہے۔ چلو مکینک لگنے میں بھی کوئی برائی نہیں ہے لیکن وہ تو شکل سے ہی نہایت احمق اور ہونق لگتے ہیں۔ اعتماد نام کی کوئی چیز نہیں ہے ان کے اندر۔ کوئی لڑکی قریب جا کر دو چار باتیں کر لے تو چھوئی موئی کی طرح ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کم از کم میں ایسے آدمی کو اپنے شوہر کے طور پر ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔“ بجیا کی نندوں کی پے در پے ہونے والی شادیوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے میں ان کے سسرالی خاندان سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی چنانچہ نہایت آرام سے جمشید صاحب کا حدود اربعہ بیان کر ڈالا۔

”ساری بے تکی باتیں ہیں۔ مرد کی تعلیم سے زیادہ کمائی دیکھی جاتی ہے۔ تمہیں کیا اس سے انگریزی ناول پڑھوا کر سننے ہیں یا شاعروں کے کلام کی تشریح کروانی ہے جو تعلیم کی کمی کا بہانہ بنا رہی ہو۔ بے چارہ کم عمری میں کمانے کی فکر میں لگ گیا تھا اس لیے پڑھ نہ سکا۔ شریف طبیعت کا مالک ہے اس لیے لڑکیوں سے فری نہیں ہوتا اور رہی حلیے وغیرہ کی بات تو وہ تو بیوی بدل ہی دیتی ہے۔ تم ڈھنگ سے سلیقے سے رکھو گی تو سیکھ لے گا وہ بھی طور طریقے۔“ انہوں نے میرے سارے اعتراضات کے پرخچے اُڑا دیے۔

”پلیز بجیا...... میرا شوہر کو پالنے پوسنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ آخر میرا تحمل جواب دینے لگا لیکن مجھ سے زیادہ ان کا خبط جواب دے گیا۔

”یہ کس انداز میں بات کر رہی ہو تم۔ کبھی آئینے میں شکل دیکھی ہے، ہم دیکھنے میں تم سے ہزار گُنا اچھے تھے لیکن اماں ابا نے جہاں کہا وہاں سر جھکا دیا کوئی سوال جواب نہیں کیا۔ کون ہے، کیسا ہے، کیا کرتا ہے اور تم ہو کہ ایسے بحث کیے جا رہی ہو کہ جانے کہاں کی حور شمائل ہو۔ ہوش کے ناخن لو بی بی۔ یہ جو رشتہ تمہارے لیے آ گیا ہے وہ بھی صرف میری وجہ سے آیا ہے۔ میری سسرال میں اتنے اچھے طریقے سے نبھا کرنے پر میری چچی ساس نے تمہارے لیے بات ڈالی ہے کہ میری بہن ہو تو میری ہی طرح کے طور طریقے ہوں گے ورنہ جمشید کے لیے کوئی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔“ اس بار انہوں نے میری ذات کے پرخچے اُڑائے تھے۔

”اس صورت میں تو یہ شادی بالکل ہی نامناسب رہے گی بجیا کیونکہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں آپ جیسی نہیں ہوں، مجھے حق کو حق سمجھنا اور کہنا آتا ہے۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ کس رشتے کو کتنی اہمیت دینی ہے۔ مجھ میں آپ کی طرح سسرال میں نمبر بنانے کی خاطر اپنے بچوں کو نظر انداز کرنے اور خود ڈپریشن میں مبتلا رہنے کی صلاحیت اور ہمت نہیں ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں۔“ بظاہر بڑی مضبوطی سے انہیں جواب دے کر میں کمرے سے باہر نکل گئی لیکن اندر کیسی ٹوٹ پھوٹ مچی ہوئی تھی یہ تو میں ہی جانتی تھی۔

صغریٰ خالہ نے میری شکل صورت پر تبصرہ کیا تھا تو تکلیف ہوئی تھی لیکن تکلیف کی انتہا کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہو رہا تھا۔ شکل اچھی نہ ہونے کا کیا یہ مطلب تھا کہ میں اپنے تمام بنیادی حقوق سے بھی محروم کر دی جاؤں۔ جمشید شکل میں مجھ سے بھی گیا گزرا تھا۔ اس کا قد بھی چھوٹا تھا لیکن اس کے لیے انکار کرتے ہوئے میں نے یہ خامیاں نہیں گنوائی تھیں کیونکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن کیا میں یہ خواہش بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میرا شوہر تھوڑا تعلیم یافتہ اور با تہذیب ہو...... بے شک مجھے اس سے ادب اور شاعری پر تقریریں نہیں کروانی تھیں لیکن وہ اس لائق تو ہوتا کہ میری بات سمجھ سکتا۔ میرے کسی خوب صورت جملے یا شعر سنانے پر کم از کم ہونقوں کی طرح منہ تو نہیں پھاڑے اور جمشید ایسا ہی تھا۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس قسم کے آدمی کے ساتھ زندگی گزارنے کی صورت میں میرے اپنے اندر سے زندگی ختم ہو جائے گی لیکن میری سگی بہن نے مجھے میری اوقات جتا دی تھی۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا کیونکہ میں کم صورت ہوں۔ اس لیے اپنے لیے زندگی کے ساتھی کے انتخاب کے لیے کسی بھی قسم کی خواہش رکھنے کی حقدار نہیں تھی۔ کیا سچ مچ ایسا ہی تھا؟ اپنے اندر اٹھتے سوالوں کے جواب کی تلاش میں، میں اتنی گم صم ہوئی کہ میرے انکار پر تھوڑی، تھوڑی سی ناراض اماں بھی بوکھلا اٹھیں۔ معاملہ کیونکہ میرا تھا اس لیے انہوں نے شگو آپا سے مدد طلب کی۔ میری خاطر وہ اپنی ہزاروں مصروفیات میں سے وقت نکال کر آ بھی گئیں۔

”کیا بات ہے ایبا گڑیا، کیوں سب کو پریشان کیا ہوا ہے؟ اماں پریشان ہیں کہ ان کی چہکتی بلبل کو کیا ہوا اور تو اور عثمان نے بھی فون کر کے مجھ سے کہا کہ پتا نہیں ایبا کو کیا ہو گیا ہے، آپ آ کر ذرا اس کا موڈ تو بحال کر دیں اور میں تمہاری خاطر دوڑی

نعتِ شریف

ہر اِک زباں پہ درود و سلام آتا ہے
خدا کے بعد محمد ﷺ کا نام آتا ہے
فلک کے چاند ستارو! یہ تم بھی دیکھو آج
زمیں سے عرش پہ خیرُ الانام آتا ہے
چمک اٹھا ہے ہر اِک ذرہ کہکشاں بن کر
پڑھانے نفل فلک پہ امام آتا ہے
حضور پاکؐ کی شفقت کا فیض ہے اتنا
کہ ان سے ملنے ہر اِک خاص و عام آتا ہے
چلا ہے آج ہر اِک فرد جانبِ سرورؐ
وہ جن کے پاس خدا کا پیام آتا ہے
اثرؔ یہ رب کا کرم ہے کہ رنج و راحت میں
رسول پاکؐ کا بس لب پہ نام آتا ہے

شاعر: اثر جون پوری
پسند: فضہ بتول، بہارہ کہو

حُسنِ ادائیگی نمازِ پنجگانہ

☆ قرآن پاک کے احکام اور احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں نماز کی حد درجہ اہمیت و فضیلت ہے کہ جس کی بحالتِ مجبوری قضا تو ممکن ہے مگر کسی حالت میں بھی ترک نہیں کی جا سکتی۔

☆ نماز مومن کا نور ہے۔

☆ نماز جنت کی کنجی اور مومن کی معراج ہے۔

☆ نماز قربِ الٰہی کا ذریعہ اور رسول خدا ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

☆ نماز پریشانیوں، بیماریوں اور فقر سے نجات کا ذریعہ ہے۔

مرسلہ: عظمیٰ عنبرین، ڈی جی خان

چلی آئی۔" انہوں نے اپنے نرم ملائم، مہربان و شگفتہ لہجے میں بولنا شروع کیا تو میرا دل بھر آیا اور ان کے سینے سے لگ کر بہت سے آنسو بہانے کے بعد میں نے سارا قصہ مع اپنے شکوؤں کے ان کے گوش گزار کردیا۔ وہ پوری توجہ سے سنتی رہیں میرے خاموش ہوجانے پر انہوں نے لب کشائی کی۔

"ستارہ سے میری بات ہوئی تھی۔ مجھ سے بھی اس نے کچھ اس قسم کی ہی باتیں کی تھیں لیکن گڑیا تم اس کی نیت پر شک نہیں کرو۔ وہ بہن ہے اور تمہارے لیے برا ہرگز کبھی نہیں چاہتی۔ قصہ بس اتنا ہے کہ حالات کے مطابق اس نے تمہارے لیے جو مناسب سمجھا وہ پیش کردیا۔ اصل میں ملنے جلنے والوں کی اکثریت نے تمہاری کم صورتی کو جتا، جتا کر اماں کو کچھ اس طرح ہولا دیا ہے کہ وہ ہر وقت تمہاری فکر میں ہی مبتلا رہتی ہیں اور ان کی اس فکرمندی کو دیکھتے ہوئے ہی ستارہ کو جمشید کا رشتہ بہت مناسب لگا تھا۔ حقیقت میں وہ ایک اچھا لڑکا ہے لیکن میں تمہارے اعتراضات کو بھی بے جا یا غیر اہم نہیں کہوں گی۔ تم نے اپنی عمر اور تجربے کے اعتبار سے جو کچھ کہا وہ بالکل درست تھا، ہاں ستارہ کو غصے میں تمہارا دل نہیں دکھانا چاہیے تھا۔ اسے خود بھی اپنے رویے کا احساس ہے۔ فون پر مجھ سے شرمندگی کا اظہار کررہی تھی لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی غم تھا کہ تم زندگی میں سمجھوتے کی اہمیت سے ناآشنا ہو۔ سمجھوتا ہر انسان کو کرنا پڑتا ہے لیکن عورت کے حصے میں یہ ضرورت سے زیادہ ہی دخیل ہوجاتا ہے۔ میں اپنی ذات پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی لیکن اس وقت میں اپنی مثال ضرور دینا چاہوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو اور میرے لیے کتنا کڑھتی رہتی ہو مجھ تک ہر خبر پہنچتی ہے لیکن اس لیے ٹال جاتی ہوں کہ وقت تمہیں خود سب کچھ سمجھادے گا۔ تم ذرا چھوٹی تھیں اس لیے تمہیں میری اور شہباز کی شادی کا زمانہ اتنا اچھی طرح یاد نہ ہوگا۔

میرا شہباز سے رشتہ طے ہوا تو ایک دنیا مجھ پر رشک کرتی تھی۔ میں خود بھی خوش تھی کہ خوابوں کے نگر میں بسنے جارہی ہوں لیکن یہ خواب کتنی جلدی ٹوٹا یہ میں ہی جانتی ہوں۔ شادی کے بعد چند مہینوں میں ہی مجھ پر شہباز کی کام چوری کا راز کھل گیا تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ سب کیا ہے؟ کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ہی سارہ میری گود میں آگئی۔ میری ایک قریبی سہیلی نے مجھے مشورہ دیا کہ ایسے نکھٹو بندے سے پیچھا چھڑالو لیکن میں سارہ کی وجہ سے مجبور ہوگئی۔ میں اسے باپ کی محبت سے محروم کرنے کا حوصلہ نہیں کرسکتی تھی۔ تم نے ابا کو دیکھا ہے ناں کہ اماں کے لیے ہمیشہ کتنے سخت مزاج رہے ہیں لیکن ہم بہنوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ہمیں بھی ان کا وجود کسی شجرِ سایہ دار کی طرح محسوس ہوتا ہے پھر میں بھلا اپنی بیٹی کو اس سائے سے کیسے محروم کرتی۔ اپنی معاشی برتری کے زعم میں، میں شہباز سے علیحدگی اختیار کرلیتی تو یہ معاشرہ کب مجھے اور میری بیٹی کو سکون سے جینے دیتا۔ بے شمار تلخ باتیں سننے اور گندی نگاہوں کو سہنے سے بہترین میں نے یہی سمجھا کہ شہباز کی ایک خامی سے سمجھوتا کرلوں۔ وہ بے حسی کی حد تک نکمے ہیں لیکن سارہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میری معاشی برتری کے باعث انہیں میری بھی بہت سی باتیں ماننی پڑتی ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ بے شک میں ایک مشکل زندگی تو گزار رہی ہوں لیکن بہت سی عورتوں سے پھر بھی بہتر ہوں۔ میں تمہیں اپنی ماسی کے بارے میں بتاؤں۔ اس عورت کے سات بچے ہیں۔ صبح سے شام تک محنت کرکے وہ بچوں سمیت اپنے نکھٹو میاں کا پیٹ پالتی ہے اور اس پر بھی ہر دوسرے دن شوہر سے چار چوٹ کی مار کھاتی ہے۔ اتنی قابلِ رحم عورت کو دیکھ کر میرے اندر ہزار بار جذبۂ شکر ابھرتا ہے شہباز نے کبھی مجھ سے اس قسم کی بدسلوکی نہیں کی۔ میں اپنے گھر کی حکمران ہوں اور سارے فیصلے خود کرتی ہوں۔ میں

نے اپنی زندگی میں ایک سمجھوتا ضرور کیا ہے لیکن باقی ہر طرف سے سکون میں ہوں اور مجھے یہ سودا اس لیے برا نہیں لگتا کہ ہر عورت کو کوئی نہ کوئی سمجھوتا کرنا ہی پڑتا ہے۔" اپنی پوری داستانِ حیات کو مختصر الفاظ میں سنا کر وہ خاموش ہوئیں تو ان کے چہرے پر وہی ہمیشہ والا نرم ملائم تاثر تھا۔

"کیا آپ کے خیال میں مجھے بھی جمشید سے شادی کا سمجھوتا کرلینا چاہیے؟" ان کے چہرے پر نظریں ٹکائے میں نے ان سے پوچھا۔

"یہ سوال تمہیں میرے بجائے خود سے کرنا چاہیے کیونکہ یہ صرف تم طے کرسکتی ہو کہ تم کس چیز پر سمجھوتا کرسکتی ہو اور کس پر نہیں۔ ہاں فیصلہ کرتے وقت کسی قسم کے احساسِ کمتری یا محرومی کو خود پر حاوی مت ہونے دینا کیونکہ اس قسم کے دباؤ میں تم سے کوئی درست فیصلہ ہرگز نہیں ہوگا۔" اپنے باوقار انداز میں دوٹوک جواب دیتے ہوئے انہوں نے مجھے مشورے سے نوازا۔

"بہت شکریہ میری پیاری آپا۔" میں ایک بار پھر ان کے گلے سے لگ گئی۔ "آپ نے میری بہت مدد کی۔ آپ کے مشورے کی روشنی میں، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال میں شادی وغیرہ کے جھنجٹ میں پڑنے کے بجائے اپنی تعلیم پر توجہ دوں اور اپنا مستقبل سنواروں کیونکہ ایک بے حیثیت انسان کے فیصلے بھی بے حیثیت اور ناپختہ ہوتے ہیں۔ میں اپنی کم مائیگی کے احساس کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اس صورت میں یہ ایک ایسا سمجھوتا ہوگا جس میں مجھے اپنی ذات کی یکسر نفی کرنی پڑے گی اور میں ساری زندگی اس سمجھوتے کا بوجھ اپنے دل و دماغ پر لیے ایک ایسی زندگی گزاروں گی جس کا نتیجہ احساسِ کمتری اور چڑچڑے پن کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ دوسروں کے تجربات سے میں نے جو سبق سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ بے شک زندگی سمجھوتے کا نام ہے لیکن انسان کو زندگی میں وہ سمجھوتے کرنے چاہیے جن سے اس کی عزتِ نفس برقرار رہے۔ آج میں ایک بالکل بے حیثیت لڑکی ہوں اور میرے پاس اپنی کم شکلی کے احساسِ کمتری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں زندگی کی جنگ کو بغیر ہتھیاروں کے لڑنے کی بے وقوفی نہیں کرسکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ مجھے چند سال کی مہلت دی جائے تاکہ میں اپنی شخصیت میں کچھ خوبیاں تو ایسی پیدا کرسکوں کہ مجھے لگے کہ میرا ساتھ بھی کسی کے لیے مفید ہے پھر چاہے وہ شخص جمشید ہو یا اس جیسا کوئی اور...... مجھے اس سے فرق نہیں پڑے گا کیونکہ کوئی مجھے یہ نہیں جتاسکے گا کہ میں بالکل ہی بے اوقات تھی اور مجھے اپنانے والے نے مجھ پر کوئی احسان کیا ہے۔ میں اپنی نئی زندگی کا آغاز عزت و وقار سے کرنا چاہتی ہوں تاکہ آگے بھی عزت و وقار سے زندہ رہ سکوں۔" میں نے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو شگو آپا نے بے اختیار ہی میرا ماتھا چوم لیا اور پیار سے بولیں۔

"میری چھوٹی سی گڑیا کب اتنی بڑی ہوگئی کہ ایسی بڑی، بڑی باتیں کرنے لگی مجھے معلوم ہی نہیں ہوا لیکن میں تمہارے خیالات سے سو فی صد متفق ہوں اور وعدہ کرتی ہوں کہ اماں، ابا کو بھی قائل کرکے چھوڑوں گی۔ تم اطمینان سے اپنی فیوچر پلاننگ کرو اور پوری دل جمعی سے زندگی کی جنگ لڑنے کی تیاری کرو۔ میں اس جنگ میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گی۔" آپا کی اس یقین دہانی نے میرے اندر ڈھیروں ڈھیر اطمینان اتار دیا اور میں خود سے عہد کرنے لگی کہ کسی بھی قسم کے تساہل کا مظاہرہ کیے بغیر اپنی پوری قوت سے یہ جنگ لڑوں گی کہ باعزت زندگی گزارنے کی یہی ایک راہ ہے۔ سمجھوتے تو عورت کو کرنے ہی ہوتے ہیں لیکن باوقار پوزیشن میں کیے سمجھوتے اور احساسِ کمتری کے ساتھ کیے گئے سمجھوتے میں بہت فرق ہوتا ہے اور میں ہمیشہ اپنا وقار قائم رکھنا چاہتی ہوں۔